مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

تحریر : عبدالرشید عراقی

۳۱/ دسمبر ۱۹۹۹ء کو عالم اسلام کے نامور عالِم دین مفکّرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۸۶ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

مولانا علی میاں کے سانحہ ارتحال سے ایک دور کا خاتمہ ہو گیا۔ بڑی خوبیوں کے حامل انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور جملہ متعلقین کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نہ صرف برّ ِصغیر (پاک و ہند) بلکہ عالم اسلام کے ممتاز عالِم دین، مفکرِ اسلام، صاحبِ نظر، عربی ادب کے مایہ ناز ادیب، غیر معمولی طور پر معاملہ فہم اور صاحب فہم و فراست تھے۔ مولانا علی میاں ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد مولانا حکیم سید عبدالحی نامور عالم دین، طبیب حاذق اور بلند پایہ مصنف تھے۔ ان کی کتاب نزہتہ الخواطر (عربی) بہت مشہور تصنیف ہے، جس میں تقریباً چار ہزار اساطین علم و فن کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا حکیم سید عبدالحی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم بھی رہے۔ آپ کا انتقال ۱۵/ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ کو ہوا۔

مولانا علی میاں نے اپنے بزرگوں کی روایات کو پوری آب و تاب کے ساتھ قائم رکھا اور ان کو جِلا دی۔ چنانچہ آپ نے ایک عرصہ تک نہایت ممتاز مدرّس کی حیثیت سے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں خدمات انجام دیں اور پھر ایک عرصہ تک دارالعلوم ندوہ کے نائب ناظم اور بعد میں ناظم کی حیثیت سے آپ نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

مولانا علی میاں نے نصف صدی سے زائد قوم و ملّت اور دینِ اسلام کی خدماتِ جلیلہ انجام دیں۔ آپ کے انتقال سے ملّتِ اسلامیہ کا ایک ستون گر گیا اور مسلمانانِ ہند ایک

عظیم مذہبی رہنما' ایک عظیم مفکر اور ایک عظیم روشن خیال شخصیت سے محروم ہو گئے۔

مولانا علی میاں عالمِ اسلام کے عظیم عالم دین تھے' عالم اسلام میں ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور عالم اسلام کے جیّد علمائے کرام ان کے علمی تبحر کے معترف تھے۔ عالم اسلام کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں آپ تشریف نہ لے گئے ہوں اور وہاں کے ممتاز علمائے کرام آپ سے شناسا نہ ہوں۔

مولانا علی میاں کی زندگی ان کے گوناگوں مشاغل سے معمور رہی۔ وہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ان علماء میں شمار کئے جاتے تھے جن پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ وہ بیشتر اسلامی ممالک کی علمی و ادبی انجمنوں کے ممبر تھے۔ برّ صغیر میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم' دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن' مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام لکھنؤ کے صدر' مجلس انتظامیہ دار المصنفین اعظم گڑھ کے صدر اور مسلم پرسنل لاء بورڈ ہند کے صدر رہے تھے۔ اس کے علاوہ عالم اسلام میں رابطہ عالم اسلامی مکّہ مکرمہ کے نائب صدر' عربی اکیڈمی دِمشق کے رکن' جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ کے رکن' رابطہ الادب الاسلامیہ کے صدر' مؤتمر عالم اسلامی بیروت کے رکن' مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا کے رکن' دِمشق یونیورسٹی اور مدینہ یونیورسٹی کے وزیٹنگ پروفیسر اور آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز' آکسفورڈ یونیورسٹی کے صدر رہے تھے۔ ملک اور بیرونِ ملک کے دینی' علمی اور ادبی و قومی انجمنوں اور علمی و سیاسی تحریکوں میں ان کی رکنیت اور شمولیت باعث فخر سمجھی جاتی تھی۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ایک علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے جس وقت آنکھ کھولی اُس وقت برّ صغیر مختلف علوم و فنون کے ماہرین اور اکابر رجال سے کفِ گل فروش بنا ہوا تھا۔ ان کو بے شمار نامور مذہبی و سیاسی ہستیوں کو دیکھنے اور ملنے کا موقع ملا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری' مولانا شبیر احمد عثمانی' مولانا حسین احمد مدنی' مولانا کفایت اللہ دہلوی' مولانا سید سلیمان ندوی' مولانا مناظر احسن گیلانی' مولانا ابو الکلام آزاد' مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف سے ان کا قریبی رشتہ رہا۔ اس طرح ان کی ذات میں پورے عہد کا خلاصہ جمع ہو گیا تھا۔ چنانچہ ان کی شخصیت بڑی متوازن بن گئی

تھی۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں برپا ہونے والی تحریکات اور اشخاص کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیا تھا۔

قدرت کی طرف سے بڑا اچھا دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ حافظہ بھی بڑا قوی تھا۔ ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔ برصغیر کی تمام سیاسی وغیرسیاسی' قومی و ملی اور علمی و دینی تحریکات کے قیام کے پس منظر سے پوری طرح باخبر تھے۔ اس کے علاوہ عالم اسلام اور مغربی تحریکات سے بھی انہیں پوری طرح واقفیت تھی اور ان تمام تحریکات سے متعلق اپنی ایک ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔

مولانا علی میاں کو ہندوستان کی طرح پاکستان کی علمی و ادبی انجمنوں اور دینی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ انہوں نے سعودی عرب' انڈونیشیا' شام' عراق' کویت' دوبئ' قطر' مصر' مراکش اور وسط ایشیا کے علاوہ بیشتر مغربی ممالک میں دینی و علمی کانفرنسوں میں متعدد بار شرکت کی تھی اور ہر جگہ اپنے علم و فضل کا اثر چھوڑ کر آئے۔

مولانا علی میاں کی شخصیت کے اتنے پہلو ہیں کہ ان سب کو اجاگر کرنا تو ایک مستقل کتاب کا موضوع بن سکتا ہے۔ بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک عالم دین' ایک مفکر' عربی ادب کے نامور ادیب اور ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے پوری دنیا اپنے اندر بسائے ہوئے تھے۔ مولانا ندوی کی ذات خود ایک انجمن تھی اور ایسا بلند مقام اور ایسی بلند و اعلیٰ قابلیت رکھنے والی شخصیتوں میں آخری شمع تھی۔ اب ایسی شخصیت کا پایا جانا صدیوں تک محال و مشکل ہو گا۔ ایسی عظیم المرتبت شخصیات کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا!

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر تھے۔ ایک طرف انہوں نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کی افادیت اور تحفظ کی ضرورت کو مسلمانوں کے ذہن نشین کرایا اور دوسری طرف حکومت ہند کو مجبور کیا کہ وہ مسلم پرسنل لاء میں مداخلت نہ

کرے۔ ہندوستان کی تمام مسلم تنظیموں اور بے شمار تعلیمی و علمی اور سماجی اداروں میں آپ کی صلاحیتوں' اصابت رائے اور آپ کے دانش مندانہ مشوروں کا اعتراف کیا جاتا تھا اور آپ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔

مولانا علی میاں جید عالم دین تھے۔ اخلاق و شرافت' تہذیب و شائستگی' بلند حوصلگی اور وسعت قلب و فکر وغیرہ ایسی پاکیزہ خصوصیات آپ میں پائی جاتی تھیں' جس کی وجہ سے نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم بھی آپ کا ادب و احترام کرتے تھے۔

مولانا علی میاں حق گوئی اور بے باکی میں بھی منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ جب بھی بھارت میں مسلمانوں کے خلاف کوئی یورش برپا ہوتی تو فوراً حکومت کو نشانۂ تنقید بناتے۔ ان کی حق پسندی کو ملک کے سرکاری اور قومی حلقوں میں قدر و منزلت کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ مولانا علی میاں کا سیاسی رجحان کانگرس کی جانب رہا ہے اور ہمیشہ کانگرس کی کوتاہیوں کی برابر نشاندہی کرتے رہتے تھے۔ ان کی اس حق گوئی اور صداقت شعاری کو ملک کی دوسری سیاسی جماعتوں میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ بھارت کی تمام سیاسی جماعتوں کے رہنما مولانا علی میاں کی حق گوئی اور صداقت شعاری کی بناء پر ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان کی سیاسی بصیرت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے علمی مرتبہ و مقام کا برصغیر پاک و ہند کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو اعتراف ہے اور مولانا ندوی خود بھی دوسرے مکاتب فکر کے جید علماء کرام کا اعتراف کرتے تھے۔ مولانا علی میاں کے مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے قریبی روابط تھے اور آپ ان دونوں علمائے کرام کے علم و فضل کے معترف تھے۔ مولانا علی میاں اپنے ایک مضمون میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :

> "مولانا داؤد غزنوی صاحب عیدین کی نماز منٹو پارک لاہور کے میدان میں پڑھتے تھے۔ ہمارے استاد شیخ مولانا احمد علی صاحب لاہوری بالتزام ان کے پیچھے نماز عیدین ادا کرتے۔ مولانا طلحہ صاحب اور بہت سے ان حضرات کا بھی یہی معمول تھا جو مساجد میں عید کی نماز ادا کرنے پر میدان میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے اور اسے اقرب

اِلی السنہ سمجھتے تھے۔ مجھے بھی کئی بار مولانا کے پیچھے عیدین کی نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہ اردو میں خطبہ بھی دیتے' جو مؤثر اور دلپذیر ہوتا۔

تقسیم کے بعد مَیں ایک مرتبہ لاہور حاضر ہوا تو ہمارے فاضل دوست مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب اور ان کے رفقاء نے ازراہِ محبت جامعہ سلفیہ میں میرے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی اور اپنی جماعت کے ممتاز لوگوں اور فضلاء ندوہ کو مدعو کیا۔ مَیں حاضر ہوا تو میری حیرت و ندامت کی انتہا نہ رہی کہ مجھے وہاں ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا اور مولانا داؤد غزنوی صاحب نے' جو میرے اساتذہ اور بزرگوں کی صف میں تھے' خود پڑھا۔ یہ ان کی بے نفسی اور تواضع کی انتہا تھی اور اس سے اس تعلق کا اندازہ ہو سکتا ہے جو ان کو حضرت سید احمد شہید اور ان کے خاندان اور مسلک سے تھا۔ ۱۹۶۲ء میں جس سال رابطہ عالم اسلامی کی بنیاد پڑی وہ حج کرنے آئے تھے۔ رابطہ کے پہلے اجلاس میں وہ شریک ہوئے اور اس کے رکن منتخب ہوئے۔ مدینہ طیبہ کے ہوٹل "فندق القسیر" میں ان کی خدمت میں کئی بار حاضری ہوئی اور وہاں ان کو قلبی دورہ پڑا۔ طبیّ امداد بروقت پہنچی۔ اللہ نے فضل فرمایا اور وہ بخیریت لاہور واپس ہوئے۔ یہ ان کی آخری زیارت اور ملاقات تھی جو نصیب ہوئی"۔ (پرانے چراغ' جلد ۲' ص ۲۷۸' ۲۷۹)

مولانا عطاء اللہ حنیف سے ان کے بہت قریبی مراسم تھے اور یہ دونوں علمائے کرام ایک دوسرے کے علم و فضل کے معترف تھے۔ مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم نے راقم سے کئی بار فرمایا کہ :

"مولانا علی میاں علوم اسلامیہ کے بحر زخار ہیں۔ تمام علومِ اسلامیہ پر ان کی نظر وسیع ہے اور عالم اسلام میں ان کی دینی و علمی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا"۔

ایک بار مولانا عطاء اللہ مرحوم سے میں نے کہا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لاہور آئے ہوئے تھے' ان سے ملاقات ہوئی ہے یا نہیں' تو مولانا عطاء اللہ مرحوم نے فرمایا کہ :

"مولانا علی میاں تشریف لائے تھے اور ان سے تقریباً ایک گھنٹہ ملاقات ہوئی۔ مختلف علمی موضوعات زیر بحث آئے اور جاتے ہوئے فرمایا کہ "میں جب بھی لاہور آتا ہوں تو یہ ارادہ کرتا ہوں کہ آپ سے اور مولانا مودودی سے ضرور ملاقات کروں گا۔" تو میں نے کہا مولانا یہ آپ کا حسن ظن ہے"۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایک کامیاب مصنف بھی تھے۔ عربی اور اردو میں آپ نے بے شمار کتابیں لکھیں۔ آپ کی عربی تصانیف کو عرب دنیا میں بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ آپ کی کئی ایک کتابیں اسلامی ممالک کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہیں۔ آپ کی بیشتر کتابوں کے فارسی' انگریزی' فرانسیسی اور ترکی میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے' جن میں مشہور تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے :

تصانیف

① المرتضیٰؓ ② انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ③ ارکانِ اربعہ ④ اصلاحیات ⑤ انسانیت کے محسن اعظم ⑥ اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر ⑦ انسانی علوم کے میدان میں اسلام کا انقلابی و تعمیری کردار ⑧ اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین ⑨ پاجا سراغِ زندگی ⑩ پرانے چراغ (۳ جلد) ⑪ تاریخ دعوت و عزیمت (۶ جلد) ⑫ سید احمد شہید (۲ جلد) ⑬ تعمیرِ انسانیت ⑭ تذکرہ مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی ⑮ تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات ⑯ تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب ⑰ جب ایمان کی بہار آئی ⑱ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ⑲ حیاتِ عبدالحی ⑳ حدیث کا بنیادی کردار ㉑ خلفائے اربعہ ㉒ دستور حیات ㉓ دو متضاد تصویریں ㉔ عالم عربی کا المیہ ㉕ عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح ㉖ قادیانیت ㉗ کاروانِ ایمان و عزیمت ㉘ کاروان مدینہ ㉙ کاروانِ زندگی (۶ جلد) ㉚ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ㉛ منصبِ نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ㉜ مذہب و تمدن ㉝ نبیِّ رحمت ﷺ (۲ جلد) ㉞ نقوشِ اقبال ㉟ نئی دنیا' امریکہ میں صاف صاف باتیں ㊱ نبی خاتم و دین کامل ㊲ ہندوستانی مسلمان ㊳ سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ ㊴ اسلام کا تعارف ㊵ معرکہ ایمان و مادیت ㊶ بصائر ㊷ حجازِ مقدس اور جزیرۃ العرب ㊸ دریائے کابل سے دریائے یرموک تک۔